جماعت اسلامی ہند: تحریک یا تنظیم؟

یاور رحمن

یاور رحمن اللہ کے دین کے لئے اٹھنے والی تحریک جماعت اسلامی ہند کے 32 ارکان کا بیک وقت اپنی رکنیت سے استعفیٰ دے دینا ہمارے نزدیک ایک عظیم سانحہ ہے. ایسا سانحہ جس کی چاپ ایک عرصے سے سنائی دے رہی تھی. کہا جا رہا ہے کہ تقریباً آٹھ ہزار ارکان کی بھیڑ سے 32 ارکان کا اٹھ جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے. مگر جو لوگ ایسا کہ رہے ہیں وہ اسلامی انقلاب کے لئے برپا ہونے والی تحریکوں کے نیچر سے واقفیت نہیں رکھتے. وہ نہیں جانتے کہ ایسی تحریکیں اس وقت تک کامیاب ہو ہی نہیں سکتیں جبتک کہ اسکے ارکان ایک دوسرے میں پیوست ہو کر ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار نہ بن جایں. یہاں عقیدے اور مقصد میں کامل اتفاق اگر جسم کی حیثیت رکھتا ہے تو محبّت، اخوت اور ایک دوسرے پر آخری درجے کا اعتماد اس رشتے کی روح ہے. ورنہ یہ وہ لڑی ہے جو درمیان سے ذرا تو بے شمار موتیاں یکبارگی بکھر جاتی ہیں. اور نقصان ہو کے رہتا ہے. بہر حال، اپنی قیادت سے غیر مطمئن ان اراکین بھی ٹوٹ جائے کے بیک دم استعفیٰ دے دینے سے ٹھہرے ہوئے پانی میں ہلچل مچ گئی ہے. انہیں اپنے دریا سے پیاس کی شکایت ہے. انکو شکایت ہے کہ لہریں بے سمت ہو رہی ہیں. ان کا کہنا ہے کہ دریا اپنی اخلاقی شفافیت کھوتا جا رہا ہے. وہ کہتے ہیں کہ اصلاح کی کوششیں بے سود ہو رہی ہیں. جو بھی ہوا اس تکلیف دہ واقعے میں کچھ باتیں بڑی مثبت ہیں. ایک یہ کہ اپنی موجودہ قیادت سے خفا یہ 'سر پھرے' اپنی نیتوں میں بڑے مخلص ہیں. انکی بغاوت اصلاح حال کے لئے ہے قیادت کی حرص کے لئے نہیں. دوسری بات یہ کہ ہماری اطلاع کے مطابق خود قیادت آج بھی انکے لئے اپنا ایک گوشہ نرم رکھے ہوئی ہے اور اپنے خفا اراکین کی 'گھر واپسی' کی خواہشمند بھی ہے. مگر ابھی اس کا عملی اظہار باقی ہے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ یہ افتراق مقصد میں نہیں بلکہ 'مذہب' میں ہے. یعنی منزل آج بھی ایک ہی ہے، راستے جدا تو اس میں بھی خیر کے کئی پہلو ہوئے ہیں. اور یہ خود اپنے آپ میں کسی ملی نقصان کی بات نہیں بلکہ فائدے کی بات ہے. غور کیا جائے ہیں. اب سے پہلے بھی کچھ دیوانے تحریک سے جدا ہوئے ہیں اور انکی جدائی نے تحریک کی اساسی فکر کو مزید وسعت ہی دی ہے کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے. ان تمام خوش گمانیوں کے باوجود دو باتوں کا جاننا بہت اہم ہے. ایک بذات خود تحریک کو، دوسرے ان عوامل کو جنکی وجہ سے ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں یا ہوئے ہیں. جماعت اسلامی کی تشکیل اصلاً 1941 میں ہوئی. یہ انقلابات کا دور تھا. قوموں کی تقدیریں خدائی حکم کے 'تبادلوں' کی زد پر تھیں. کسی کو معزول کیا جا رہا تھا تو کسی کو مامور. امّت مرحومہ بھی جرم ضعیفی کی سزا یافتہ ہو کر خلافت کی ایک ایک انچ سے محروم کی جا رہی تھی. اس خانہ خرابی کو ٹھیک کرنے کے لئے پورے عالم میں امّت کے فکر مند اسلام کی منظّم کوششوں میں لگے تھے. انہی کوششوں کا ایک ٹھوس نتیجہ جماعت اسلامی کا قیام بھی اکابرین اپنے اپنے طور پر احیائے تھا. بیسویں صدی کی یہی وہ جو لانگاہ عمر تھی جس نے خود ہمارے ملک غیر منقسم ہوندستان میں بھی ایک زبردست انقلابیت برپا کر رکھی

تھی. اور یہاں بھی خوے محکومی میں طاق ہو چکے کروڑوں مسلمانوں کا 'قبلۂ قیادت' تبدیل ہو رہا تھا. انگریزوں کی جبر یہ سلطنت اپنے استخوانی ڈھانچے کو سمیٹ کر برطانیہ کی واپسی کا ٹکٹ خرید چکی تھی اور آزادی کا فرحت انگیز احساس جہاں عام دلوں پر پھوار بن کر برس رہا تھا وہیں سنجیدہ اور فکر مند ذہنوں میں اندیشے بھی سر ابھار رہے تھے. پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا، انگریز چلے گئے مگر جاتے جاتے تقسیم ملک کا وہ 'پن بم' لڑھکا گئے جو پھٹا اور اس شان سے پھٹا کہ اک عرصۂ دراز تک مٹی کی سوندھی خوشبو انسانی لہو کی بساندھ میں تحلیل ہوتی رہی. یہ زمین کی تاریخ کا اندوہناک واقعہ تھا. سرحدوں کی تقسیم نے' بہت سے محب الوطنوں' کو 'محب الشیطان' بنا دیا تھا. ہندو مسلم قومیت کی دو پتنگیں آپس میں کچھ اس طرح لڑی تھیں کہ ان کے دھاگوں کے' مانجھے' انسانی سروں کو ان کے تن سے جدا کرنے کی گویا ولایتی مشین بن گئے تھے. بیشک تقسیم ملک کی یہ بھاری قیمت اس قوم کو زیادہ چکانی ہی تھی جو اپنی نااہلی کی دیرینہ روایات پر ڈٹے رہنے کے ساتھ ساتھ ایک نئی مسلمان ریاست لے بیٹھی تھی. آخر ش جن کو جانا تھا وہ تو چلے گئے. وہ جو لکیر کے اس پار ہی رہ گئے تھے انکا حال ویسا ہی تھا جیسا فسادیوں کی بے قابو بھیڑ میں پھنس جانے والے کمزور دلوں کا ہوتا ہے. مسلمانوں کے سیاسی و مذہبی رہنماؤں کے سامنے مسائل کی بارش تھی. اور وسائل کے نام پر جو کچھ بھی تھا اسکی حیثیت کاغذ کے ناؤ سے زیادہ نہیں تھی. مختلف جماعتیں، ادارے اور افراد اپنی سی کوششوں میں مصروف تھے. ہر ایک کی حکمت عملی اسکی فراست علمی جیسی تھی. ایک طرف فسادات کے لاکھوں متاثرین کی باز آبادکاری کے لئے روٹی، کپڑا اور مکان کی حاجت تھی تو دوسری طرف ڈرے سہمے عام مسلمانوں کے اندر اعتماد اور حوصلے کی تخم ریزی بھی ضروری تھی۔ پست حوصلوں اور ٹوٹی ہوئی امنگوں کے اس سخت موسم میں جب دین کی اقامت اور اسکی دعوت کا تصور بھی مخالف دلوں میں انگارہ بھر دینے جیسا تھا، زمینی تقسیم میں دو لخت ہو چکی جماعت اسلامی ہند پھر سے اٹھ کھڑی ہوئی. اس نے سوچا، مسلمانوں کے فوری اور ضمنی مسائل کے حل کی کوششوں میں اور بھی افراد اور جماعتیں لگی ہوئی ہیں تو کیوں نہ جماعت ایک مکمل غیر جانبدار داعی گروہ کی حیثیت سے اپنے اسی مشن کے ساتھ از سر نو اٹھے جس کے لئے وہ سات سال پہلے ہی رخت سفر باندھ چکی تھی. لہذا قران وسنّت کی رہنمائی میں عام انسانوں کی یہ جماعت مکّے کی پہلی 'اسلامی جماعت' کی پیروی میں اٹھ کھڑی ہوئی. اس نے صدا لگائی، اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے. اسی کے پاس انسانوں کے تمام سیاسی، سماجی اور معاشی مسائل کا حل ہے. اسی میں خدا کے تمام بندوں کی نجات کی گارنٹی ہے. یہ نظام نظام کہنہ نہیں بلکہ تمام زمانوں پر محیط، وقت کے تمام خانوں میں فٹ اور تہذیب کے ہر دور میں جدید ترین ہے. دراصل یہی وہ بانگ درا تھی جو شاعر اسلام علامہ اقبال کی شاعری کا 'مطلع' بھی تھی جرس تھی جو تحریک کے پہلے قائد اور بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی رح کے رشحات قلم کا نقطۂ آغاز بھی اور 'مقطع' بھی. یہی وہ صدائے تھی اور سرگرمئ حیات کا نقطۂ انجام بھی. تحریک اسلامی کا مزاج ہمیشہ اصولی ہوتا ہے. حق سے اسکی دوستی ہوتی ہے اور باطل سے سخت دشمنی. اس کی بنیادی فکر و نظر ہی باطل افکار و نظریات سے براہ راست متصادم ہوتی ہے. چاہے وہ نظریہ خود اسلام کے خوبصورت

جزدان میں لپٹا ہوا کیوں نہ ہو. یہی وجہ ہے کہ اس تحریک کے علمبرداروں کو قیام پاکستان کے پر جوش حامیوں کی گالیاں بھی سنی پڑیں اور خود اس ملک میں بھی روایت پسندوں کی جانب سے طعنہ و دشنام ملے اور دار و رسن کے انعام سے بھی انھیں نوازا گیا. کیونکہ یہ بیچارے 'زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکے قند'. تقسیم ملک کے بعد کا نقشہ ہر آنکھ کھینچ سکتی ہے. 1948 میں جب جماعت اسلامی ہند کی تشکیل ہوئی تو اس کی اس وقت کی کیفیت کو اکبر الہ آبادی کے اس شعری اسکرین پر منعکس کر کے دیکھا جاسکتا ہے. کہ رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں یہ ایک المیہ ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کو پہلے دن سے اس کے کہ وہ اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ بن کر اس ملک کی تعمیر و تشکیل میں ایک ایکٹو پارٹنر کا رول ادا ہی الجھا کے رکھ دیا گیا. بجائے کرتے، فسادات کے لا متناہی سلسلوں اور پھر بعد میں دہشت گردی کے بھیانک مایاجال میں انھیں ایک زبردست سازش کے تحت پھنسادیا گیا. ان حالات نے بتدریج جماعت کو بھی الجھا کے رکھ دیا. یا یوں کہئے کہ الجھی ہوئی اس ڈور کو سلجھانے کی کوششوں میں تحریک اسلامی خود ہی الجھتی چلی گئی. تحریک سے روحانی وابستگی رکھنے والے کچھ بزرگوں کا خیال ہے کہ تحریک کی Clinical death ہو چکی ہے اور اب اسکے پاس سوائے مٹھی بھر گرد راہ کے اور کچھ نہیں بچا ہے۔ جبکہ امیدوں کی آس جگائے بیٹھے مثبت رویوں کے حامل کچھ خوش گمان ایسے بھی ہیں جو تحریک کی اس 'تحلیل نفسی' کو وقت اور حالات کے مطابق ایک کامیاب اسٹریٹجی سمجھتے ہیں۔ بظاہر جو کچھ دکھائی دے رہا ہے وہ یہ ہے کہ اب ایک عرصے سے امّت وسط کا یہ مبارک گروہ اپنی تمام تر نیک کوششوں اور کاوشوں کے باوجود دیگر روایتی تنظیموں اور اداروں کی طرح محض خدمت قوم کی ایک 'مذہبی انجمن' بنتا جا رہا ہے. یہ تو کہا ہی جاسکتا ہے کہ ملک و معاشرے کے نامساعد حالات نے اس کی مثبت انقلابیت کو سست روی کا شکار ہی نہیں کیا بلکہ کسی حد تک تحریک کو اسکے اصل ٹریک سے ہٹا کر تنظیمی شاخ پر بٹھا دیا. اب ایسا لگتا ہے جیسے عقابوں کی بلند نگاہی اپنے اطراف کے ذرّات میں کھو کے رہ گئی ہے. تنظیم کی دفتریت پر زور بڑھتا چلا گیا اور تحریک کی اساس پر گرفت ڈھیلی پڑتی چلی گئی. اصول سمٹنے لگے، فروع کا دائرہ پھیلتا گیا اور 'ویلفیئر کی چکی' اقامت دین کے محور سے کھسک کر 'سیاست قومی' سے جا لگی. یقیناً یہ سارے کام ایک تحریک کی مشنری کا حصّہ ہوتے ہیں مگر ترجیحات تو طے ہونی ہی چاہیے. یہ طے کرنا ہی پڑیگا کہ اصل پہیوں کی جگہ کہاں ہونی چاہیے اور 'اسٹپنی' کہاں فکس ہوگی؟ ہمیں اس حقیقت سے قطعی انکار مجال نہیں کہ تحریک نے مسلمانان ہند کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں. اس نے مسلکی تشدد کے طوفان کو کم کرنے، قرآن و سنّت کی تفہیم کا عمومی مزاج بنانے اور مذہب کے پیرہن میں ملبوس دین اسلام کو ایک مکمل نظام حیات کے طور پر ذہنوں میں بٹھا دینے کی کامیاب کوشش کی ہے. اس کا علمی کارنامہ بے مثال ہے. اپنے خالص اسلامی لٹریچر سے اسنے انگنت جدید ذہنوں کو معمور کیا ہے. باالخصوص ہندوستان کی تمام علاقائی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کی اشاعت اس کا ایک لازوال کارنامہ ہے. برادران وطن کے درمیان بھی اس کی محنتیں خدا کے آسمانی ریکارڈ میں یقیناً درج ہونگی. اسکے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے

کہ مخلصین کی ایک بڑی تعداد کے ہوتے ہوئے بھی اسکے فکر و نظر کی بلندی ہنوز تشنہ کام جنوں ہے. طلوع اسلام کے تمام تمہیدی قافلے اس کی گرمئ نفس کو ٹٹول رہے ہیں اور ریت پر تھک کے بیٹھ جانے والوں سے ہوا پوچھ رہی ہے کہ آخر اس دشت میں وحشت کے بغیر آئے کیوں تھے؟؟؟ جماعت اسلامی ہند ایک تحریک ہے، نری تنظیم نہیں ہے. اس کا دائرہ عمل محدود نہیں لا محدود ہے. یہ مگر اس کی امارت، اسکی شوریٰ، اس کے نمائندگان مرکزی اگر مسلمانوں کو اتحاد و اصلاح کی طرف بلاتی ہے تو اسکا فرض ہے کہ بلائے مجلس، اس کے ارکان، کارکن اور متعلقین یہ نہ بھولیں کہ ان کی اصل حیثیت جسکی ذمہ داری انہوں نے اپنے سر لی ہے، ایک 'مسلم ویلفیئر تنظیم' کی نہیں بلکہ ایک ایسے داعی گروہ کی ہے جو بے لاگ اور بلا کم و کاست اللہ کے دین کی دعوت، اسکی اقامت اور اس کے غلبے کے لئے ایک ہمہ جہت، ہمہ وقت اور لا متناہی جدوجہد کا پابند ہے. تحریک کی قیادت کی نگاہ میں بھی یہ نکتۂ خاص یقیناً تر و تازہ رہنا چاہیے کہ موسم سخت ہو یا نرم، حالات موافق ہوں یا مخالف... تحریک کے سفر کی سمت بھی، رفتار بھی اور اسکی زندگی بھی اس کے فیصلوں پر منحصر ہوگی. اسے ضرور دیکھتے رہنا چاہیے کہ اسکی قیادت میں چلنے والے لوگ کس قدر اسکے ساتھ ہیں. انکے قدم اسکی رفتار سے کتنے ہم آہنگ ہیں اور انکا اعتماد اسے کس قدر میسّر ہے. تحریک کا قائد ہو یا کارکن اسے یہ نکتۂ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مکتبۂ عشق کے انداز نرالے

دیکھے چھٹی اس کو نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

آصف علی، ایک تبصرہ

نہایت ادیبانہ پیرائے میں زیادہ تر لغویات بیان ہوئی ہیں اس تحریر میں....... ہر تحریک کو بالآخر تنظیم بننا پڑتا ہے. جب کام کا دائرہ وسیع ہوگا تو دفتری امور کاغذی کاروائیاں بھی تو ہونگی, یہ کیسی منطق ہے کہ جماعت اسلامی دفتری بنتی جا رہی ہے؟ یہ تو ایک رکیک اور گندی سوچ ہے, جس سے بدنیتی ظاہر ہوتی ہے. آخر کوئی یہ بتلائے کہ جماعت اسلامی ہند کہاں سیاست میں ملوث ہوئی ہے؟ وہ کس الیکشن میں حصہ لے کر نظام وقت کا دست و بازو بنی ہے؟ الحمد للہ جماعت آج بھی اپنے نصب العین کے حصول کے لیے رواں دواں ہے... حالات و واقعات کے پس منظر میں تبدیلیاں ناگزیر ہوتی ہیں, سو جماعت اسلامی بھی اپنے اندر تبدیلیاں لاتی ہے. جماعت کے پاس مخلص اور اعلی صلاحیتوں سے مزین لوگوں کی ٹیم ,, مجلس شوری ,, کے نام سے موجود ہے جو ارکان کے انتخاب سے وجود میں آتی ہے. دور زوال سے ہماری قوم کی نفسیاتی کیفیت یہ بن گئی کہ اس نے مثبت اور تعمیری تبدیلیوں کی مخالفت کرنا شروع کر دی. پتہ نہیں یہ احساس کیوں کر دلوں میں جاگزیں ہو جاتا ہے کہ نئی تبدیلیاں اس کے تشخص کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیں گی. علامہ اقبال نے بھی قوم کی اس نفسیاتی کیفیت کا بہت اچھے انداز سے بیان کیا ہے. فرماتے ہیں کہ: آئین نو سے ڈرنا, طرز کہن پہ اڑنا منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں. منحرفین جماعت کے دلائل ہمیشہ یکساں رہے ہیں, مثلا جماعت

اپنے نصب العین سے دور ہو رہی ہے. جماعت میں سیاست زیادہ آگئی ہے. جماعت کو سیاست میں حصہ لینا چاہیے. جماعت کا مقصد وجود ہی غلط ہے. جماعت اسلامی میں شخصیت پرستی داخل ہوگئی ہے وغیرہ. معترضین میں بعض نمایاں ہستیاں تھیں, مولانا امین احسن اصلاحی, مولانا وحید الدین خان, مولانا علی میاں ندوی, منظور نعمانی, ڈاکٹر اسرار عالم صاحبان. لیکن ان حضرات کے دلائل کو حالات و واقعات نے باالکل غلط ثابت کیا ہے... جواب دیں جواب دیں

مکمل تحریر ⇨ http://mazameen.com/?p=30364